اجتہاد اور فقہی مذاہب کا ارتقاء

مولانا ابوالحسن علی ندوی
ترجمہ : محمد طفیل

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقالہ کا آغاز ان سطور سے کروں جو میں نے اپنے خطبات کے مجموعہ ,,تاریخ دعوت و عزیمت،، کے مقدمہ میں تحریر کیں ۔

(۱) اسلام کی دائمی حیثیت

یہ بنیادی حقیقت ہے کہ زندگی متحرک اور ترقی پذیر ہے ہمیشہ جوان رہتی ہے اس میں نشوونما کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے،ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتی رہتی ہے ۔ نیز ایک رنگ سے دوسرے رنگ میں ڈھلتی رہتی ہے ۔ اسے جمود یا ٹھہراؤ لاحق نہیں ہوتا، نہ ہی یہ بڑھاپے اور تعطل کا شکار ہوتی ہے ۔ اس کے طویل اور مسلسل سفر میں، وہی حرکی دین اس کے ہم رکاب ہو سکتا ہے جو نہ زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہے، نہ ہی اس سفر سے عاجز آئے ، بلکہ اس کے قدم سے قدم ملا کر چلے ۔ اور اس کا جوہر حیات اور ارتقاء ختم نہ ہو ۔

اسلام ہی ایسا دین ہے ۔ اگرچہ اس کا خمیر پختہ عقائد اور ابدی حقائق سے اٹھایا گیاءتاہم وہ زندگی سے لبریز اور ارتقاء سے پُر ہے ۔ اس کے ہاں ایسا جوہر حیات موجود ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا اور ایسا مواد ملتا ہے جو کم نہیں ہوتا ۔ یہ دین ہر زمان و مکان کے

لئے قابل عمل ہے۔ اس کے پاس ایسی روشنی ہے جو زندگی کے ہر نئے انداز کے لئے ، نسل انسانی کے لئے تاریخ کے ہر دور میں ، یکساں مفید ہے۔

اکثر مسلمانوں کے عقیدے کے برعکس اور بہت سے مستشرقین اور مغربی مورخین کی پیش کردہ تصویر کے برخلاف، اسلام کسی ایک دور کی تہذیب نہیں، نہ ہی کسی خاص تاریخی دور کی صنعت و حرفت سے عبارت ہے کہ وہ اسی دور کے آثار و قواعد کی نمائندگی کرے۔ پتھروں، رسومات اور تصاویر میں زندہ رہے جبکہ حقیقی زندگی سے اسے کوئی تعلق نہ ہو، اور مسائل زیست کو اپنے پیغام کی روشنی میں حل کرنے کی صلاحیّت سے محروم ہو جیسا کہ یونانی اور رومی تہذیبوں نیز ترکی اور مغلیہ صنعت و حرفت کے بارے میں کہا جاتا ہے۔

بلکہ وہ ایک زندہ دین ہے ، اس کا پیغام ابدی ہے ، وہ زندگی کی طرح زندہ اور فطری حقائق اور زندگی کے قوانین کی مانند ابدی اور دائمی ہے۔ کیونکہ اسے عطا کرنے والا طاقت والا، غالب اور جاننے والا ہے۔ (۱)

صنع الله الذی اتقن کل شی (سورة النمل آیت ۸۸)

«اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو خوب پختہ طور پر بنایا ہے۔»

اسلام اپنی آخری صورت اور مکمل شکل میں آیا چنانچہ حجة الوداع کے دن اعلان کر دیا گیا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (سورة المائدة آیت (۳)

«اب ہم تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر چکے، اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور ہم نے تمہارے لئے (اسی) دین اسلام کو پسند کیا۔»

اس دین کو کاملیت حاصل ہے،اس کے بعد کسی اور دین کا انتظار نہیں ہوگا، اسکی موجودگی میں کسی نئے پیغام کی ضرورت نہیں ۔ اس میں ایسا جوھر حیات موجود ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا اور اس میں نمو کی وہ کیفیت ہے ، جس کی کوئی انتہاء نہیں ۔ اسی وجہ سے وہ ایک طرف زندگی کے دوش بدوش اور اسکے قدم سے قدم ملائے رواں دواں ہے،تو دوسری جانب اسکی اصلاح اور درستگی کے لئے اس کی نگرانی اور رھنمائی کرتا ہے ، اور اس کی کجی اور گمراھی کو درست کر دیتا ہے ۔ وہ بہت سے تحریف شدہ ادیان کی طرح ترقی کی راہ میں حائل نہیں،نہ ھی وہ بہت سے نظری فلسفوں کی طرح جامد نگراں ہے ۔ یہ زندہ انسانوں کے لئے زندہ اور کامل دین ہے جو انسانی شعور کا ادراک رکھتا اور اسکی ضروریات کا انتظام کرتا ہے ، مشکلات میں اسکی رھنمائی کرتا اور برائی کی جانب جانے سے اسے روکتا ہے ۔ (۲)

(۲) اُمت مسلمہ ، شریعت اسلامیہ ، اور انسانی زندگی

امت مسلمہ اس امر کی صلاحیت رکھتی ہے کہ وہ لاتعداد تغیرات، غیر محدود اور قیاس کی حد سے فزوں تر مسائل کا حل پیش کرے ۔ چنانچہ وہ زمان و مکان کے اختلاف اور لباس و ماحول کی بوقلمونی کا دو قوتوں سے مقابلہ کر سکتی ہے ۔

پہلی قوت: وہ پوشیدہ جوھر حیات ہے جو اسلام کی ساخت میں موجود ہے جو ھر ماحول، ھر خطہ اور تاریخ کے ھر دور میں زندہ رھنے اور رھنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے ۔ اللہ تعالی نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رسالت اور پوری انسانیت کے لئے مکمل ھدایت عطا کی جو ھر زمان و مکان کے لئے مفید ہے ، زندگی میں پیدا ھونے والے نئے امور اور طریقوں کا مقابلہ کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے،جو بھی مشکلات اور مسائل درپیش ھوں وہ انھیں

حل کرتی ہے ۔ جو کچھ میں نے کہا اس کی تفصیل جاننے کے لئے قرآن حکیم ، صحیح احادیث اور مصادر اسلامی کا گہرا اور وسیع مطالعہ ضروری ہے ۔

دوسری قوت : یقیناً اللہ تعالی نے اس امر کی ضمانت مہیا کی ہے کہ وہ ہمیشہ قائم رہنے والی ملت (اسلامیہ) کو ہر دور میں فعال اور مضبوط رجال کار عطا فرماتا رہے گا، جو اسلامی ہدایات کو عملی زندگی کی طرف منتقل اور انہیں ہر دور میں نافذ کرتے رہیں گے اور وہ مردان کار اسلامی شریعت کے عطا کردہ اصول و قواعد، شریعت کی روح اور مقاصد کی روشنی میں ہر طرح کی مشکلات، جدید امور اور پیچیدہ مسائل کو حل کرتے رہیں گے ۔ اپنی تاریخ کے مختلف ادوار میں یہ امت کبھی بھی علم و معرفت کے ماہر علماء اور فکری قائدوں سے محروم نہیں رہی، جنکے معیار اور تعداد کی کسی بھی قوم میں مثال نہیں ملتی ۔

(۳) دوسری اور تیسری صدی ہجری میں اجتہاد اور مجتہدین

اسلام جزیرۃ العرب میں طلوع ہوا یہاں زندگی سادہ اور تہذیب اپنے ابتدائی دور میں تھی ۔ وہاں سے اسلام ایسے وسیع اور زرخیز علاقوں میں پھیلا جو قدیم تہذیبوں کے مراکز اور وسیع علاقوں پر مشتمل تھے جیسے شام ، عراق، مصر اور ایران ۔ یہاں سماجی زندگی وسیع ہو چکی تھی ۔ تجارت، حکومت، زراعت، آبپاشی اور ٹیکسوں کے نظام رائج تھے۔ سب سے اہم جو مسئلہ درپیش تھا وہ یہ تھا کہ اسلامی اصولوں کو ان امور اور مسائل سے ہم آہنگ کیا جائے اور معاشرے کو اسلامی روح اور اساسیات کا تابع بنایا جائے ۔ یہ کام بلندپایہ ذہانت، باریک بینی اور ہم عصر معاشرے سے مسلمانوں کی گہری واقفیت کا متقاضی ہے اس کے ساتھ نفسیات اور انسانی

فطرت سے کامل آگہی نیز قوم کے مختلف گروھوں اور زندگی کے زاویوں کے بارے میں وسیع تجربہ چاھتا ہے ۔ مزید برآں وہ یہ بھی مطالبہ کرتا ہے کہ کتاب و سنت میں موجود دین کے فقھی سرمایہ کی وسیع معلومات حاصل ھوں، علم کے بنیادی مآخذ اور اسلامی قانون سازی کے اساسی قواعد میں ممارست نیز عربی زبان میں مہارت اور کمال حاصل ھو۔کیونکہ یہی وہ زبان ہے جس میں قرآن حکیم نازل ھوا اور جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادات فرمائے ۔

اس امت پر اللہ تعالی کا کرم ہے کہ اس نے اس اھم منصب کی سہولت کے لئے امت کو ایسے رجال کار عطا فرمائے جن کا شمار نابغۂ روزگار افراد میں ھوتا ہے اور ان کی نظیر نہیں ملتی۔اِن حضرات نے تفقھہ، امانت اور اخلاص میں منفرد مقام حاصل کیا ہے ۔ انھیں حضرات میں سے یہ چار ائمہ بھی ھیں ۔

١ ۔امام ابو حنیفہ متوفی ١٥٠ ھ ب ۔ امام مالک متوفی ١٧٩ ھ
ج ۔امام شافعی متوفی ٢٠٤ ھ د ۔ امام احمد بن حنبل متوفی ٢٤١ ھ

ان فقہاء کا فقھی سرمایا زندہ جاوید (ہے) اور عالم اسلام میں سے اکثریت اُس پر عمل پیرا ہے ۔ یہ چاروں فقھاء وسیع اور دقیق نکتہ فھمی میں ممتاز تھے ۔ انھوں نے فقھی اور قانونی متاع کو تشکیل دینے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کیں اور اپنی خداداد صلاحیتیں صرف کیں ۔

اس فقھی متاع کا دنیا میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا ۔ یہ فقہ آج کے دور میں بھی قانون سازی کیلئے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے ۔ ان ائمہ نے اپنے کو اس گرانقدر خدمت کےلئے وقف کیا اور آج اُمت مسلمہ اُنکی پیروی کر رھی ہے ۔ انھوں نے زندگی میں ھر آرام ، راحت اور منصب و مرتبہ قربان کر دیا اور ان میں سے ھر ایک نے علمی متاع اور فقھی میراث یادگار چھوڑی جو آج کے علمی اداروں اور بڑی بڑی تنظیموں کے پاس موجود ہے ۔ اللہ تعالی نے ان فقہاء کو سعادت مند

شاگرد عطا فرمائے تھے، جو نہ صرف ان کی علمی میراث کے وارث ہوئے بلکہ انھوں نے اس میں اضافے بھی کئے ۔ وہ اس کی چھان پھٹک کرنے اور اسکی نوک پلک سنوارنے میں مصروف رہے ۔ یہاں تک کہ فقہ میں یہ صلاحیت پیدا ہو گئی کہ وہ ان کے بعد کے زمانوں اور ان کے ملکوں سے باہر نکل کر دوسرے علاقوں میں رائج ہو سکے ۔ (۲)۔

(۴) امت اسلامیہ کی زندگی میں اجتہاد کی فضیلت

ان ائمہ مجتہدین اور فقہائے کرام کا وجود اسلام کی ابتدائی صدیوں میں روشنی کا مینار تھا ۔ ان کی کوششوں اور دانائی کے سبب امت کے سماجی امور، باھمی معاملات اور مالی پالیسیوں میں وحدت عمل پیدا ہوئی ۔ اور یہی وحدت عبادات، خاندانی نظام اور شخصی قانون میں بھی نظر آنے لگی ۔ اسی اتحاد نے دینی اور فکری ہم آھنگی کے لئے اھم کردار ادا کیا ۔ یہی وجہ ہے کہ یہ امت اس سماجی اور قانونی انتشار سے محفوظ رہی جس انتشار کا دوسری قومیں اور ادیان اپنے ابتدائی ادوار میں شکار ہوئے اور یہی انتشار آھستہ آھستہ اُنھیں غیر دینی زندگی کی طرف لے گیا اور اس طرح ایسا دینی نظام وجود میں آیا کہ اقوام اپنے دین کی مبادیات کے خلاف دیگر اقوام کی خوشہ چینی کرنے لگیں یا مسیحیت کی طرح ,,دین سیاست سے جُدا ہے،، کے مفروضے کے مطابق عمل کرنا شروع کر دیا ۔

اگر ابتدائی دور کے علمائے کرام اجتہاد اور مسائل کے استنباط میں سستی سے کام لیتے اور محنت و مشقت پر آرام و راحت کو ترجیح دیتے تو ان کے علمی نتائج اور کارنامے کمزور ہو جاتے اور ان کے اذھان پر جمود طاری ہو جاتا ۔ چنانچہ زندگی کی عملی مشکلات اور تقاضوں کے پیش نظر حکومتیں مجبور ہو جاتیں کہ وہ رومی اور ایرانی

نظاموں کی خوشہ چینی کریں، اسلامی ریاست میں رومی اور ایرانی قانون نافذ کریں کیونکہ انتظامی ڈھانچہ کو چلنے سے کوئی نہیں روک سکتا اور قانون سازی کے انتظار میں زندگی کی حرکت کو کوئی معطل نہیں کر سکتا، اسی طرح تجارتی معاملات کی تکمیل اور دینی فرائض کی ادائیگی میں تاخیر نہیں کی جا سکتی کہ علمائے کرام غور و خوض کر کے کسی حتمی نتیجہ تک پہنچ جائیں اور ان امور کی بجا آوری ممکن ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو امت کی بہت بڑی بدبختی ہوتی کیونکہ وہ اسلامی قانون کی برکتوں، اسلامی معاشرے کی نعمتوں، اسلامی شریعت اور سنت نبوی کی رہنمائی سے محروم ہو جاتی ۔ یہ امر اس کا مقدر ہوتا کہ وہ دیندار امت کی حیثیت سے صرف مسجدوں میں وقتی طور پر زندہ رہے، ان کے گھر ، بازاروں اور عدالتوں میں کبھی سے جاهلیت یا لادینیت کا دور دورہ ہوتا جیسا کہ ان ممالک اور ریاستوں میں ہے جن کا سرکاری مذہب عیسائیت ہے لیکن وہ عیسائی قانون سے محروم ہیں۔افسوس اور ندامت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے کہ جیسا ان ممالک اور ریاستوں میں ہے جو عقیدہ اور عبادات میں تو اسلام پر یقین رکھتی ہیں ، لیکن اسلامی قانون اور شریعت ان کے ہاں رائج نہیں ۔ عیسائیت کو ایسا راس آ سکتا ہے کیونکہ وہ آئین کی دولت سے محروم ہے۔اسی لئے وہ پوری زندگی میں دین کے نفاذ پر اصرار نہیں کرتی، لیکن اسلام میں یہ تصور لانا آسان کام نہیں کیونکہ وہ دین اور ریاست ، عقیدہ اور سیاست نیز عبادت اور سماج سے عبارت ہے اور امت اپنی زندگی کے خطرناک اور مشکل دور سے کامیابی کے ساتھ گذر کر آگے بڑھی اور صد راہے پر کھڑی تھی، ایک بڑی غلطی ہو یا دس چھوٹی غلطیاں، اسلام کی سماجی زندگی یا سیاسی نظام سے تعلق توڑنے کے

لئے کافی ہوتی ہیں ۔ جس کے نتیجہ میں آئندہ نسلوں کیلئے دین کیساتھ اپنا تعلّق قائم رکھنا برائے نام رہ جاتا ہے۔

یہی حال تفصیلی احکام کا ہے۔ جن امور کا تعلق عبادات سے ہے ان میں جو مسائل اور مشکلات درپیش ہوتی ہیں اور بتقاضائے بشری جو غلطیاں اور کمزوریاں سرزد ہوتی ہیں۔ بسااوقات سہو، بھول، نسیان ، غفلت وغیرہ کی بنیاد پر ہوتی ہیں جو التباس لاحق ہو جاتا ہے وہ کبھی جان بوجھ کر ہوتا ہے اور کبھی شریعت سے عدم واقفیت کی وجہ سے۔ان میں جو کمی بیشی پائی جاتی ہے اس کے اسباب علم، دینی ثقافت اور اسلامی تربیت میں فرق ہے یا قبولیت اسلام میں تقدیم و تاخیر ہے،مکمل اسلامی ماحول ، اسلام اور جدید معاشرتیں یا مخلوط ماحول بھی ان وجوہات کا حصہ ہیں ۔ یہ تمام معاملات فیصلہ کن جواب اور فوری حل کا مطالبہ کرتے ہیں ۔ ایک شخص مناسب جواب نہ ملنے کی وجہ سے نماز سے منہ موڑ گیا حالانکہ وہ اس کا احترام کرتا ہے۔اور یہ روزہ دار ہے جس نے اپنے کو کھانے سے روک لیا، اور یہ امر بھی فتویٰ چاہتا ہے کہ مسلمان پر کس مال میں زکوۃ فرض ہوتی ہے ؟ زکوۃ کی مقدار کیا ہے ؟ اس کے مصارف کون سے ہیں؟ یہی حال حج کا ہے ۔ جو ایک وسیع فریضہ ہے،جو لمبی مدت، طویل مسافت ، ایک رکن سے دوسرے رکن نیز ایک جگہ سے دوسری جگہ نہایت احتیاط اور پیچیدگی سے منتقل ہونے پر مشتمل ہے۔ ان امور کی بجا آوری کے لئے رہنمائی، شرعی حکم، سنت نبوی اور اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واقفیت کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ ان میں سے کوئی مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں مہلت دینے کا امکان ہو۔ جس شخص کو یہ مسائل درپیش ہوتے ہیں اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ انہیں سابقہ شریعتوں کے ماخذ سے تلاش کرے یا غلطی کا شکار رہے ۔ اس لئے لازمی ہے کہ ضروری احکام،ان کی

جزئیات اور فقہی معلومات بآسانی میسر ہوں اور ایسے علمائے کرام بھی موجود ہوں۔ جو شرعی علوم میں مہارت رکھتے اور رہنمائی کے لئے مستعد ہوں۔ اسلامی معاشرے کی سلامتی اس امر میں پنہاں ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کی طرح عبادات میں تحریف و تصرف نہ کرے۔ اسلام کے سوا دیگر مذاہب میں ماہوار یا سالانہ تقریبات میں شریک ہونے والوں میں کوئی رشتہ قائم نہیں ہوتا، حالانکہ وہ سب ایک ہی مذہب کے پیرو اور ایک ہی عمل میں مشغول ہوتے ہیں۔ وہاں طمانینت قلب یا صبغۃ اللہ جیسی کسی چیز کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔اسکے برعکس مسلمانوں کی مسجدیں، حج اور دینی مراکز وحدت اسلامی کے رشتہ میں پروئے ہوئے ہوتے ہیں،ان میں یگانگت اور اتحاد ہے عقیدہ اور عبادت کی وحدت نمایاں ہے اور وہ ایک ہی شریعت کے پیرو ہیں۔ اس وحدت کا سہرا دینی ہدایات کی صحت اور ان کی یگانگت کے سر ہے۔ پھر محدثین اور فقہاء بھی لائق تحسین ہیں جو اس امت کے قانونی خزانے کی حفاظت کرتے رہے اور اس کا تعلق اپنے حقیقی سرچشمہ اور متحدہ دینی نظام سے جوڑے رکھا۔

یہ اجتہاد، فقہ کی تدوین اور شرعی احکام کا استنباط اپنے اپنے زمانے اور اپنے اپنے وقت پر ظہور میں آیا اس میں نہ کچھ پہلے ہوا اور نہ بعد میں۔ اس فقہ کا یہ نمو طبائع الاشیاء اور امور کائنات کی نہج کے عین مطابق ہے کیونکہ اس دین کی عالمگیریت اسی امر کی متقاضی ہے۔ یہ ویسا ہی طبعی اور منطقی تقاضا تھا جیسا کہ علم الصرف ، نحو، عربی زبان کے قواعد، بلاغت اور بیان کے علوم کی نشوونما کا حال ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی بنیاد سابقہ عربوں کے کلام،عربی زبان میں نازل شدہ قرآن حکیم اور شعر عرب پر استوار ہے۔ جب کہ عرب اور عجم کے اختلاط اور اسلام پر عمل کرنے والوں کے

لئے تمام عربی علوم کی تدوین کی نسبت فقہ کی تدوین زیادہ ضروری تھی ۔ کیونکہ فقہ ہر مسلمان کی زندگی کا احاطہ کرتی ہے ، عبادت اور عقیدہ سے اس کا مضبوط رشتہ ہے،اخروی زندگی اور اس پر مرتب ہونے والے ثواب و عذاب ، سعادت اور بدبختی نیز بخشش اور ہلاکت پر فقہ کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں ۔

(۵) چوتھی صدی ہجری سے پہلے لوگوں کی حالت

ہماری گفتگو سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جو لوگ ان بلند پایہ مذاہب اور عالی مرتبہ عملی طریقوں کی نشوونما کے وقت، ان فقہی مذاہب میں سے کسی ایک لڑی میں پروئے گئے تھے اور انھوں نے ایک ہی مذہب سے اپنا تعلق مضبوطی سے جوڑ لیا تھا اور اس سے بال برابر بھی انحراف نہیں کرتے تھے ۔ مزید برآں اس وقت کا مسلم معاشرہ ان مذاہب میں تقسیم ہو گیا تھا ۔ اور وہ سب ان مذاہب میں سے کسی ایک کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا تھا ۔ فقہ اور علم کی تاریخ سے ایسی کوئی گواہی نہیں ملتی نیز ایسا ہونا انسانی فطرت اور اس دور کے مسلمانوں کی حقیقی زندگی کے بھی منافی تھا۔ البتہ ایسا بعد کے ادوار میں ضرور ہوا ۔ جب ہم اسلامی کیلنڈر کی رو سے اس امر کی تحدید کرنا چاہیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسا چوتھی صدی ہجری میں وقوع پذیر ہوا ۔ جب یہ مذاہب پختہ اور مکمل ہو کر اپنے اپنے علاقوں میں پھیل چکے تھے ۔ نیز سیاسی ، حکومتی اور تربیتی عوامل بھی اس بارے میں معاون ثابت ہوئے، اور ان علاقوں کے مسلمانوں کی حقیقی زندگی بھی یہی تقاضا کرتی تھی۔

ہم موجودہ صدیوں میں آنے والے اسلام کے بطل جلیل کا ذکر کرتے ہیں جنھیں اللہ تعالی نے انصاف، متوازن فکر،وسعت قلب و نظر نیز حدیث نبوی اور فقہ میں دقت نظر سے نوازا تھا۔وہ حکیم الاسلام امام احمد بن عبدالرحیم دھلوی (متوفی ۱۱۷٦ ھ) ہیں جو شیخ ولی اللہ

دھلوی کے نام سے معروف اور شھرہ آفاق کتاب ,,حجة الله البالغة،،
کے مصنف ھیں، وہ چوتھی صدی ھجری سے پھلے کے مسلمانوں کی
فقھی حالت کے بارے میں لکھتے ھیں کہ انھیں اس دور میں اپنی دینی
زندگی میں جو مسائل اور مشکلات در پیش ھوتی تھیں تو اِس کا وہ
کیا حل تلاش کرتے تھے ؟ وہ حجة الله البالغه کے باب ,,چوتھی صدی
ھجری سے پھلے اور بعد کے لوگوں کا حال،، میں لکھتے ھیں ؛

,,جان لیجئے ـ کہ چوتھی صدی ھجری سے پھلے لوگ ایک ھی
مذھب کی تقلید نھیں کیا کرتے تھے ، ابو طالب مکی نے اپنی کتاب
,,قوت القلوب،، میں لکھا ہے کہ بےشک کتابیں اور مسائل کے مجموعے
وجود میں آتے رھتے تھے، علماء کے اقوال، ایک مذھب کے فتاوی ھر
چیز کے بارے میں ایک شخص کا قول یا حکایت یا اسکے فقھی
مذھب کو اپنانا، پھلی اور دوسری صدی ھجری تک کے لوگ اس کے
پابند نھیں تھے ـ (۳)

میں کھتا ھوں ـ دو صدیوں کے بعد ان میں تخریج مسائل کا عنصر
پیدا ھوا ـ حالانکہ چوتھی صدی ھجری کے باشندے ایک مذھب، ایک
فقہ اور کسی ایک شخص کے قول یا حکایت کی تقلید محض نھیں
کیا کرتے تھے ـ جیسا کہ بعد میں ھوا ـ اس عمل میں عامة الناس اور
علماء سبھی شامل تھے ـ

عوام الناس کا یہ حال تھا کہ اپنے اجتماعی مسائل، جن میں
مسلمانوں یا جمھور مجتھدین کے مابین کوئی اختلاف نھیں ھوتا تھا۔
ان میں صرف صاحب شریعت کی تقلید کرتے، وضو، غسل، نماز اور
زکوة وغیرہ کی تعلیم اپنے والدین یا اپنے شھر کے علماء سے حاصل
کرتے اور اسی کے مطابق عمل کرتے تھے ـ جب انھیں کوئی مسئلہ
درپیش ھوتا تو کسی مذھب کا فرق کئے بغیر ، انھیں جو بھی مفتی
میسر آتا اسی سے مسئلہ کا حل دریافت کرتے ـ

خواص کا یہ عالم تھا کہ وہ اہل حدیث تھے۔اس لئے حدیث پر عمل کرتے تھے ۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے آثار تک اپنے کو محدود رکھتے ، کسی مسئلہ کے بارے میں جب انہیں صحیح یا مستفیض حدیث مل جاتی تو اسکی موجودگی میں انہیں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوتی تھی ۔ چنانچہ بعض فقہاء بھی اسی پر عمل پیرا تھے ۔ حدیث نبوی، جمہور صحابہ کے آثار اور تابعین کے اقوال پر عمل نہ کرنے والے کے پاس کوئی عذر نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی وہ اس کی مخالفت کو پسند کرتے تھے ۔ جب کسی حدیث میں تعارض ہوتا اور اس میں ترجیح کا پہلو معلوم نہ ہوتا نیز در پیش مسئلہ کا تسلی بخش حل میسر نہ آتا تو وہ لوگ ماضی کے بعض فقہاء کرام کی طرف رجوع کرتے ۔ اگر انہیں ہم پلہ دو اقوال ملتے تو وہ کسی ایک یا ان میں سے ثقہ قول کو اپنا لیتے ۔ وہ اہـــل مـدینـہ یا اہل کوفہ کے قول میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے ۔ ان میں کچھ اصحاب ایسے بھی ہوتے تھے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں واضح احکام نہ پاتے تو وہ خود مسائل کا استنباط کیا کرتے تھے اور فقہی مذاہب میں اجتہاد کیا کرتے تھے ۔ ایسے لوگ مروجہ فقہی مذاہب کے بانیوں کی طرف منسوب ہوتے تھے ۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شافعی ہے فلاں حنفی ہے ، اہل حدیث بھی ان مذاہب میں سے جس مذہب سے زیادہ متفق ہوتے اسی کی طرف منسوب ہوتے تھے ۔ جیسے امام نسائی اور امام بیہقی شافعی مذہب کی طرف منسوب ہوتے تھے، مجتہد کے علاوہ کوئـی دوسـرا شخص قاضی یا مفتی نہیں ہوتا تھا اور فقیہ کو مجتہد کے نام سے ہی موسوم کیا جاتا تھا ۔ ان صدیوں کے بعد لوگ اپنی اپنی پسند کا مذہب اپنانے لگے ۔ "

(٦) متّبع رسولؐ کی اجتہادی فکر

شاہ ولی اللہ محدّث دھلوی ایسے مقلد کے بارے میں کیا انصاف کی بات کہتے ھیں ۔ جو در حقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا ارادہ رکھتا ھو لیکن وہ کتاب و سنت سے ثابت شدہ شرعی حکم تک براہ راست رسائی حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ وہ ایک عام شخص ہے یا وہ دوسرے امور میں مشغول ہے یا (قرآنی) نصوص تک رھنمائی کرنے والے وسائل اسے میسر نہیں یا وہ ان نصوص سے مسائل کا استنباط نہیں کر سکتا ۔ حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ ابن حزم کا یہ قول نقل فرماتے ھیں ,,تقلید حرام ہے۔ کسی کے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ دلیل کے بغیر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور شخص کا قول اختیار کرے " ۔

اسکے بعد آپ فرماتے ھیں کہ ابن حزم کے اس قول میں کوئی شبہ نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے علاوہ کسی اور کا قول دین نہیں ھوتا، اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حلال کردہ امور کو ھی حلال، اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حرام کردہ امور کو ھی حرام جانو، لیکن جب کوئی شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے ناواقف ھو، احادیث کے اختلافات میں مطابقت پیدا نہ کر پائے اور نہ ھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے مسائل کا استنباط کر سکے، تو وہ ھدایت یافتہ عالم کی پیروی کرے ۔ کیونکہ وہ عالم جو کچھ کہتا اور جو فتویٰ دیتا ہے اسے معلوم ہے کہ وہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پیرو ہے ۔ اگر اسکے خیال سے اختلاف ھو تو اس سے جھگڑا کئیے بغیر اور اپنی رائے پر اصرار کئیے بغیر بات ختم کردے کیونکہ اس حقیقت کا کوئی کیسے انکار کرسکتا ہے

که فتوی پوچھنا اور فتوی دینا مسلمانوں کے ہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے رائج رہا ہے۔ اس امر میں کوئی فرق نہیں کہ ہمیشہ ایک ہی فتوی پوچھا جائے یا کبھی کبھی فتویٰ دریافت کیا جائے ۔ جبکہ ہم نے جو کچھ بیان کیا اس پر اجماع امت ہے ایسا کیوں نہ ہو ؟ کیا ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فقہ پر ایمان نہیں رکھتے ؟ جو اللہ تعالی نے انہیں وحی کے ذریعے عطا کیا اور ان کی اتباع ہم پر فرض کی کیونکہ وہ معصوم ہیں ۔ اگر ہم مجتہدین میں سے کسی ایک کی تقلید کرتے ہیں تو یہ اس یقین کے ساتھ ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ ایسا شخص اللہ تعالی کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا عالم ہے۔ اس کا قول یا تو کتاب و سنت کی صریح نص سے ثابت ہوگا یا ان سے مروجہ طریقے سے استنباط کیا گیا ہوگا، یا قرائن سے جانا گیا کہ ہماری مطلوبہ مشکل کا حل اس طرح سے ہے۔ اس علم سے ایسے مجتہد کا دل مطمئن ہو گیا اور اس نے ان امور کو جن کے بارے میں کوئی نص نہیں، ایسے امور پر قیاس کیا جن کے بارے میں کوئی نص موجود ہے۔گویا وہ کہتا ہے ... میں نے گمان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کبھی یہ علت موجود ہو تو اس کا حکم یوں ہوگا ۔ قیاس کرنے والا اس عموم میں اضافہ کر سکتا ہے اور یہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوگا ۔ لیکن مجتہد کا طریق کار ظنی ہوگا ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمان کسی مجتہد کی تقلید کیوں کرتے ۔ اگر ہمیں معصوم رسول صلی اللہ علیہ وسلم جن کی اتباع ہم پر فرض کی گئی ہے کی صحیح سند والی حدیث مل جائے جو کسی فقہی مذہب کے خلاف ہو اور پھر ہم نے حدیث کو چھوڑ دیا اور اس ظنی بات کی پیروی کی تو ہم سے بڑا کوئی ظالم نہیں ہوگا اور قیامت کے دن رب العلمین کے حضور ہمارے پاس کوئی عذر نہیں ہوگا ۔ (۴)

(۷) مذاهب اربعه کی خصوصیات

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے بلند پایہ رسالہ ,,عقدالجید فی احکام الاجتہاد والتقلید،، میں چاروں مذاہب کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں ۔

,,جان لیجئے ۔ ان چاروں مذاہب کو اپنانے میں بہت بڑی مصلحت ہے ۔ اور ان سب کو چھوڑنے میں بڑا فساد ہے ۔ ہم اس کے اسباب بیان کرتے ہیں ۔

پہلا سبب یہ ہے کہ امت کا اس امر پر اجماع ہے کہ وہ شریعت کو جاننے کے لئے اپنے اسلاف پر اعتماد کرتی ہے ۔ تابعین نے ان امور میں صحابہ کرام پر اعتماد کیا اور یہ عمل ہر طبقہ میں جاری رہا ۔ علمائے کرام اپنے سے پہلوں پر بھروسہ کرتے ہیں ۔ عقل بھی اس کی اچھائی کی طرف رہنمائی کرتی ہے کیونکہ شریعت،روایت اور استنباط سے ہی جانی جاتی ہے اور روایت اس وقت تک درست نہیں ہوتی جب تک پہلے گروہ سے مل کر روایت نہ کی جائے ۔ اسی طرح استنباط کے لئے متقدمین کے مذاہب کا علم ہونا بھی ضروری ہے تاکہ ان کے اقوال سے الگ نہ ہو جائیں اور اس امر پر استوار اجماع ختم نہ ہو جائے اور پہلے افراد اس بارے میں معاون ثابت ہوتے ہیں کیونکہ تمام صنعتیں جیسے صرف، نحو ، طب، شعر، لوہے کا کام، تجارت اور کپڑے رنگنا اسی وقت حاصل ہوتی ہیں جب انکے ماہرین سے تعلق استوار کیا جائے ۔ ماہرین سے تعلق قائم کئے بغیر ان صنعتوں کا سیکھنا شاذ و نادر ہی ممکن ہوتا ہے اگرچہ عقلی طور پر ایسا ہونا ممکن ہے ۔ جب اسلاف کے اقوال پر اعتماد قائم ہوگیا تو ضروری ہے کہ ان کے جن اقوال پر اعتماد کیا گیا وہ صحیح اسناد کے ساتھ مروی ہوں یا مشہور کتابوں میں جمع ہوں اور وہ کتب تفصیلی ہوں تاکہ مختلف ممکنہ اقوال میں سے قابل ترجیح قول کی وضاحت

کی جا سکے ۔ بعض مقامات پر ہم عام کی تخصیص کریں، بعض دوسرے مقامات پر مطلق کو مقید بنائیں ، اختلافات کو جمع کریں اور احکام کی علتیں بیان کریں ۔ بصورت دیگر ان پر اعتماد درست نہیں ہوگا ۔ ان آخری ادوار میں مذکورہ بالا چاروں مذاہب کے علاوہ کوئی اور ایسا مذہب موجود نہیں ہے " ۔ (۵)

(۸) اجتہاد کی ضرورت ، جدید نسل کی کوتاہی

اجتہاد کی ضرورت کے بارے میں آج کل بہت سی باتیں ہو رہی ہیں ۔ یہاں تک کہ یہ ترقی اور جدت کے لئے نعرہ اور علامت بن گیا ہے ۔ بلاشبہ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے اور اس دین کی ضروریات میں سے ہے جو زندگی کو آگے بڑھاتا اور اس کی قیادت کرتا ہے ۔ یقیناً تہذیب، صنعت اور تجارت اس حد تک ترقی کر چکی ہیں کہ اندازہ کرنا مشکل ہے، نئے اسلوب پیدا ہو چکے ہیں ، معاہدات اور تجارتی امور ایسے فقہی حکم کا مطالبہ کر رہے ہیں جن کی بنیاد اسلامی شریعت کی روشنی میں اسلامی اصولوں اور اصول فقہ پر قائم ہو ۔

لیکن جو لوگ شرعی مسائل اور آج کی ایجادات کے بارے میں صدائے اجتہاد بلند کر رہے ہیں ۔ یعنی عالم اسلام کے فکری قائدین ، سیاسی اور انتظامی رہنماء ، عرب ممالک میں بیرونی یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل نوجوان اور اپنے ممالک کی یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل نوجوان ۔ ان کی عربی تہذیب کے لئے ایسی صلاحیت ، ذہانت اور قوت ارادہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی جس میں بہادری، دانائی شامل ہو تاکہ وہ عربی تہذیب کے طریقوں ،اس کی خامیوں اور خوبیوں اور معاملات میں خام مال کی طرح اپنے راستے الگ کریں ۔ جن سے ایسی ثقافت وجود میں آئے جو دینی تعلیمات ، عصری ضرورتوں اور مشرقی مسلم اقوام کی طبیعت کے مطابق ہو، جس سے

وہ ایسا نظام ترتیب دیں جو اس امت کی بعثت کے مقاصد کی تکمیل کرے اور ان اقوام کو راہ دکھائے جو مادیت کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہیں۔ جب مغرب سے کوئی چیز لیں تو پہلے اس گردوغبار کو صاف کر لیں جو تاریخ یورپ کے دور تاریک میں اس پر لگ چکی ہو، حالت یہ ہے کہ آج ہم یورپ سے جو کچھ لے رہے ہیں وہ ایک اعصابی کشمکش اور نفسیاتی الجھن کی کیفیت میں لے رہے ہیں ، جبکہ واقعہ یہ ہے کہ یورپ کے ان علوم کی آج ہمیں سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے اختصاصی میدانوں میں ایسا کردار ادا نہیں کیا جو دونوں نظاموں کو مربوط کرتا اور تربیتی نظام میں آزاد اسلامی رنگ بھر دیتا ، یہی عمل اجتہاد کے مشابہ ہے جو ان کے فکری اور قائدانہ کردار کی تکمیل کرتا ۔ لیکن یہ قدیم سے انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے قول سے جلد ہی دست بردار ہو جاتی ہے اور دوسروں سے مطالبہ شروع کر دیتی ہے کہ وہ اس کا فریضہ ادا کریں۔

اس رائے کے علی الرغم جو قابل مواخذہ نہ سمجھی جائے۔ درحقیقت شرعی مسائل اور عصری ایجادات کی موجودگی میں اجتہاد کی ضرورت روز روشن کی طرح عیاں ہے اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ۔ یہ شرعی علوم کے ماہرین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس میدان میں اپنا قائدانہ اور اساسی کردار ادا کریں اور اس قیمتی سرمایہ سے استفادہ کریں جو ,,اصول فقہ،، کے نام سے موسوم ہے جسکی نظیر احکام و مسائل کے استنباط کے میدان میں دوسری کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی ۔ یہ واضح حقیقت ہے کہ زمانہ کی دوڑ کو نہ روکا جا سکتا ہے ، نہ وہ معطل کیا جا سکتا اور نہ ہی ماضی کی طرف لوٹا یا جا سکتا ہے۔ جبکہ اسلام آج ان اقوام اور معاشروں کا دین ہے جنہیں یہ مسائل درپیش ہیں اور جنہیں ان کا ہر روز سامنا ہوتا ہے۔

(۹) بعض علاقوں اور ادوار میں اجتہاد کے معطل ہونے کے اسباب

مختلف ادوار اور مختلف علاقوں میں امت اجتہاد پر قائم رہی اور علمائے کرام بھی اس پر عمل پیرا رہے ۔ جس کی مثالوں اور نمونوں سے چاروں مذاہب کی فقہی کتب پُر ہیں ۔ تاتاری حملوں کے بعد یہ ادارہ (اپنے جدید معنوں میں) پژمردگی اور کمزوری کا شکار ہوگیا ۔ تاتاری یلغار کی وجہ سے ذہانت اور ثقافت کے سوتے خشک ہوگئے اور جو اقوام تاتاری اور مغول حکومت کے زیر اثر آئیں وہ مسلح اور غیر مسلح فوج کشی کے سامنے ماند پڑ گئیں ۔ چنانچہ مسلمان علماء خاص طور سے عالم اسلام کے مشرقی حصہ کے علماء) نے اس دور میں اجتہاد کے ارتقاء میں رکاوٹ محسوس کی جسکے اسباب حکام کی سختی کا خوف ، سیاسی اور انفرادی مصلحتیں ، نفع سے زیادہ نقصان ۔ بعض اوقات اجتہاد دین میں تحریف اور اس امت کے جماعتی انحراف کا باعث بنا ۔ یہ سب کچھ وقتی تھا اور ابتداء ہی سے اس اصول پر قائم تھا کہ فائدہ کے حصول کی بجائے نقصان کو دور کیا جائے ۔

اب اس دروازے کا کھولنا لازم ہو چکا لیکن انہیں شرائط کے ساتھ یہ دروازہ کھل سکتا ہے جو اصول فقہ کی کتب میں مذکور ہیں اور مستحسن امر یہ ہے کہ (کسی خاص ضرورت کے علاوہ) اجتہاد انفرادی نہ ہو اور یہ جماعتی اور علمی اداروں کا کام ہو تاکہ ماہرین کے ساتھ تبادلہ افکار، گہرا غور و خوض،کتاب و سنت کی روشنی میں مسئلہ کی چھان پھٹک ہو، تاکہ فقہ اور اصول فقہ کے گرانقدر سرمایہ سے مکمل استفادہ کیا جا سکے اور اس میں سازشیں اور دسیسہ کاریاں داخل نہ ہوں اور کسی سیاسی طاقت یا خود مختار حکومت کو رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے ۔

(۱۰) اجتہاد کی حدود

بعض مبلغین کی باتوں سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ جدید تہذیب یافتہ طبقے، یونیورسٹی کے پُرجوش طلبہ اور اسلامی ممالک کے بعض حکمرانوں کو اجتہاد کی ضرورت ہے۔ ہر مسئلہ میں مطلق اجتہاد کی دعوت اور بوسیدگی کے باوجود مغربی اقدار اور عصری طریقے اپنانا گویا ایسا ہے کہ زمانہ اس طرح چل رہا ہے جیسے پہلے دن اسلام آیا تھا ، انسانی معاشرہ پیچھے کی طرف الٹی چال چل پڑا ہے اور فقہاء اور مجتہدین نے ماضی میں جو کچھ کیا تھا وہ سب کچھ ضائع ہوگیا، ان کی آراء اور حاصل مطالعہ کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہی کیونکہ اس دور کی طبیعت اور حقیقی زندگی سے اسے کوئی موافقت نہیں رہی ۔ یہ ایسا نکتہ نظر ہے جو سطحیت ، لاپرواہی اور اس پروپیگنڈے کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا نتیجہ ہے۔ وقت حاضر کا ادب جس پروپیگنڈے کے ذریعے اس کی ترقی اور زمانے کے حالات کی ایسی تصویر پیش کرتا ہے جو نوجوانوں کو حیرت میں ڈال دیتی ہے وہ سوچتے ہیں کہ گویا وہ آج ہی پیدا ہوئے ہیں اور دنیا میں کوئی بھی چیز ایسی موجود نہیں جو کل کی اشیاء سے مشابہت رکھتی ہو۔ یہ حقیقت سے زیادہ تخیلی تصویر ہے اور صورت حال کو منطقی اور حقیقی انداز میں بیان کرنے کی بجائے جذباتی انداز میں مبالغہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔

(۱۱) تغیر پذیر دنیا میں اسلام

آخر میں چاہتا ہوں کہ یہاں اپنا وہ خطبہ نقل کروں جو میں نے اس سیمینار کے افتتاحی اجلاس میں پڑھا تھا جو علی گڑھ اسلامی یونیورسٹی میں ,,تغیر پذیر دنیا میں اسلام،، کے موضوع پر منعقد ہوا تھا ۔

,,عام طور پر یہ فرض کیا جاتا ہے کہ زمانے کو قرار نہیں بلکہ وہ

تبدیلی کا دوسرا نام ہے۔ لیکن معاملہ اس طرح نہیں ہے بلکہ زمانہ دو اشیاء سے مرکب ہے۔ ایک تبدیلی اور دوسرا تسلسل ۔ جب ان دونوں میں توازن قائم نہ رہے تو گویا تسلسل نے تبدیلی پر غلبہ پالیا یا تبدیلی تسلسل پر مسلط ہوگئی ۔ جس کے خطرناک نتائج معاشرے اور تہذیب پر مرتب ہونگے ۔ زمانہ کے توازن میں کسی بھی کیمیائی مرکب سے زیادہ تناسب درکار ہوتا ہے۔

زمانے کو تبدیلی پر قدرت حاصل ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ تبدیل ہو ۔ لیکن یہ اس میں کمزوری یا اس کے ناقص ہونے کی علامت نہیں بلکہ یہ قانون زندگی ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ،

جاودان پیہم روان ہر دم جواں ہے زندگی

جو زندگی ترقی سے عاری ہو اسے زندگی نہیں باقی سب کچھ کہا جا سکتا ہے۔

اسکے علاوہ تبدیلی کی مخالفت کرنے کی صفت بھی زمانے کو لاحق ہے۔ تبدیلی کے مظاہر ہم واضح طور پر دیکھ پاتے ہیں۔ہم میں سے ہر شخص محسوس کرتا ہے کہ زمانہ کس قدر تبدیل ہوگیا ۔ ہم روزمرہ کے امور کے تجربے میں زمانے کی اکھاڑ پچھاڑ کی وجہ سے ہم آھنگی نہیں پاتے کہ وہ اپنے نئے خواص ، اپنی حقیقی طبیعت اور صفات کی حفاظت کرے ۔ کیونکہ یہ سب کچھ خاص طرح کی مائکروسکوپ کا متقاضی ہوتا ہے۔

دریا کو لیجئے جو حرکت کی علامت ہے ۔ اس کی دو لہریں بالکل یکساں نہیں ہوتیں حالانکہ اس کی لہریں گذر جانے والی ہیں اور دریا اپنی جگہ ہزاروں سال سے قائم اور اپنی تمام خصوصیات ، نام اور رخ کو محفوظ کئے ہوئے ہے۔ دریائے دجلہ ، فرات، فانگ اور جامونا زمانہ قدیم سے ایک ہی طرح سے ہیں ۔

وقت متحرک ہونے کے ساتھ ساکن بھی ہے ۔ اس کی یہ دونوں صفات جوہری ہیں۔وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے بغیر موجودہ طریقہ سے اپنے فائدے کی حفاظت نہیں کر سکتا،کیونکہ مثبت اور منفی قوتیں دنیا میں موجود نامی اور غیر نامی اشیاء پر اپنا عمل جاری رکھتی ہیں ۔ جبکہ عمل اور ردّعمل کے ذریعے ہی یہ اشیاء اپنی قوت برقرار رکھتی ہیں ۔

(۱۲) دین ہی زندگی کا محافظ ہے

دین کا مطیع اور پیرو ہوتے ہوئے میرے لئے یہ کبھی بھی ممکن نہیں کہ میں کسی بھی ایسی تبدیل شدہ حالت کو تسلیم کرلوں جس کا دین حل پیش نہ کرتا ہو، آپ بھی ایسی کسی بات پر متفق نہیں ہو سکتے ، کیونکہ دین آلہ حرارت کا نام نہیں جو ایک حد کے بعد گرمی ریکارڈ کرنے سے قاصر رہے اور نہ ہی وہ قطب نما ہے کہ ہواؤں کا رخ متعین کرے ۔ ان الفاظ سے دین کی تعریف نہیں ہو سکتی اور یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ مغربی اوزاروں کی طرح ہو، ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو یہ چاہتا ہو کہ دین وقتی تبدیلیوں کے ریکارڈ کے طور پر کام کرے۔کسی خود ساختہ دین کے لئے بھی ممکن نہیں کہ وہ یہ صورت حال برداشت کرے چہ جائیکہ اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ دین ایسا ہو ؟

بےشک دین واقعی حقیقت کی طرح تبدیلی کا اعتراف کرتا ہے اور درست تبدیلی کے تحت معاملات کو چلنے کے کامل مواقع مہیا کرتا ہے ۔

دین زندگی کے دوش بدوش ترقی کرتا ہے اور ایک تابع کی حیثیت سے اس کا ساتھ نہیں دیتا ۔ اور یہ امر دین کے فرائض میں سے ہے کہ وہ مفید اور غیر مفید کو تعمیری اور تخریبی تبدیلی کے مابین امتیاز کرے اور دین کے لئے ضروری ہے کہ وہ نشان دھی کرے کہ

کونسی تبدیلی انسانیت یا کم از کم اسکے پیروکاروں کے لئے مفید یا مضر ہے۔

ایک طرف تو دین فعال زندگی کے دوش بدوش چلتا ہے تو دوسری طرف وہ محافظ اور نگران کا کام سرانجام دیتا ہے کیونکہ نگرانی اور حفاظت کی ذمہ داری بھی اسے ھی سونپی گئی ہے۔

وصی کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اپنے زیر وصیت کمزور اور ناتواں کے ھر کام میں مدد کرے اور اس کی ھر نئی اچھی یا بری خواھش کی تائید کرے،یا ھر اس چیز پر مہر تصدیق ثبت کر دے جو اسکے سامنے پیش کی جائے ۔ دین دراصل مہر ہے ، اس کی حیثیت ایک روشنائی کی ہے ، وہ ایک طرز تحریر ہے۔ اس کی یہ شان نہیں کہ وہ ھر وثیقہ اور ھر معاھدے سے اتفاق کر لیا کرے بلکہ ضروری ہے کہ وہ ان چیزوں میں تمیز کرے اور ان میں سے (مفید چیز کو) منتخب کرے ۔ پہلے وہ (وثیقہ) کی چھان پھٹک کرے ۔ پھر اس کے بارے میں کوئی حکم جاری کرے۔ اگر اس میں کوئی چیز غلط یا نقصان دہ ھو تو دین کی یہ کوشش ھوگی کہ اسے نرمی سے ترک کر دے ۔ اور اگر ممکن ھو تو حالات کے مطابق طاقت سے اسے مسترد کر دے ۔ جب اسکے سامنے کوئی ایسا وثیقہ پیش کیا جائے جو اس کی رائے میں انسانیت کے لئے ضرر رساں ھو تو وہ نہ صرف خود اس پر مہر تصدیق ثبت کرنے سے باز رھے گا ۔ بلکہ اس کا پوری قوت سے مقابلہ کرے گا۔

اور اسی مقام پر دین اور اخلاق کا فرق واضح ھو جاتا ہے۔ دین اپنا فرض اور ذمہ داری سمجھتا ہے کہ غلط رجحان کی نشان دھی کرے اور اس کا رد کرے۔جبکہ اخلاق اس کی طرف اشارہ کرنے اور اسکے اظہار کو ھی کافی سمجھتا ہے ۔ "

اس دقت نظر اور گہرائی، امانت اور ذمہ داری کے احساس،اس دین کی طبیعت اور پیغام سے آگہی، اپنے زمانے کے تقاضے اور ان کا

پیچیدہ تانا بانا، اختلاف اور تبدیلی نیز ترقی اور ترقی پذیری کے مابین مطابقت، حرکت اور ثبات نیز مفید قدیم ورثہ کی حفاظت کے پیش نظر ہمارے لئے ممکن نہیں کہ ہم وسیع تر مفہوم میں فقہ اسلامی کی ضرورت کی نفی کریں، اسے ترقی اور وسعت میں جو بلند مقام حاصل ہے وہ انتشار پھیلانے یا ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے نہیں ۔ نیز اسلامی معاشرے کی یہ اہم ضرورت ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات اور احکام پر اس دور میں عمل پیرا ہو ، جو موجودہ دور کی طرح وسیع پیمانے پر تہذیب یافتہ ہے۔ جس میں موجودہ زندگی قدرتی طور پر تیزی سے ترقی کر رہی اور آگے بڑھ رہی ہے۔

وعلی اللہ قصد السبیل و منها جائر

اور دین کے دو راستے ہیں ایک سیدھا راستہ جو خدا تک پہنچتا ہے ۔ اور بعض ٹیڑھے راستے پر ہیں ۔

حوالہ جات

۱ ۔ زندگی میں پیش آمدہ مصادر اجتہادی مسائل اور ان کی تعداد جاننے کے لئے دیکھئیے : ۔
تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۱۱۲ یا ضحی الاسلام ج ۲ ص ۲۱۵

۲۔ تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۱۱۲ ۔ ۱۱۳

۳ ۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۲ ۔ ۱۵۳

۴ ۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۵ ۔ ۱۵۶

۵ ۔ عقد الجید ص ۳۶ ۔ ۳۸